# نعت

کچھ نہیں مانگتا شاہوں سے ' یہ شیدا تیراؐ
اِس کی دولت ہے فقط نقشِ کفِ پا تیراؐ

تہ بہ تہ تیرگیاں ' ذہن پہ جب ٹوٹتی ہیں
نور ہو جاتا ہے کچھ اور ہویدا تیرا

کچھ نہیں سُوجھتا جب پیاس کی شدت سے مجھے
چھلک اُٹھتا ہے مری رُوح میں ' مِینا تیرا

پورے قد سے میں کھڑا ہوں تو یہ تیرا ہے کرم
مجھ کو جُھکنے نہیں دیتا ہے سہارا تیرا

دستگیری میری تنہائی کی ' تُو نے ہی تو کی
میں تو مر جاتا ' اگر ساتھ نہ ہوتا تیرا

لوگ کہتے ہیں کہ سایہ ترے پیکر کا نہ تھا
میں تو کہتا ہوں ' جہاں بھر پہ ہے سایا تیرا

تُو بشر بھی ہے مگر فخرِ بشر بھی تُو ہے
مجھ کو تو یاد ہے بس اِتنا سراپا تیرا

میں تجھے عالمِ اَشیا میں بھی پا لیتا ہوں
لوگ کہتے ہیں کہ ہے عالمِ بالا تیرا

میری آنکھوں سے جو ڈھونڈیں، تجھے ہر سُو دیکھیں
صرف خلوت میں جو کرتے ہیں نظارہ تیرا

وہ اندھیروں سے بھی درّانہ گزر جاتے ہیں
جن کے ماتھے میں چمکتا ہے ستارا تیرا

ندّیاں بن کے پہاڑوں میں تو سب گھومتے ہیں
ریگزاروں میں بھی بہتا رہا دریا تیرا

شرق اور غرب میں بکھرے ہوئے گلزاروں کو
نکہتیں بانٹتا ہے آج بھی صحرا تیرا

اب بھی ظلمات فروشوں کو گِلہ ہے تجھ سے
رات باقی تھی کہ سورج نکل آیا تیرا

تجھ سے پہلے کا جو ماضی تھا، ہزاروں کا سہی
اَب جو تا حشر کا فردا ہے وہ تنہا تیرا

ایک بار اور بھی بطحا سے فلسطین میں آ
راستہ دیکھتی ہے مسجدِ اَقصیٰ تیرا

☆





## نعت

اِس قدر کون محبت کا صلہ دیتا ہے
اُس کا بندہ ہوں جو بندے کو خدا دیتا ہے

جب اُترتی ہے مری رُوح میں عظمت اُس کی
مجھ کو مسجود ملائک کا بنا دیتا ہے

رَہنمائی کے یہ تیور ہیں کہ مجھ میں بَس کر
وہ مجھے میرے ہی جوہر کا پتا دیتا ہے

اُس کے ارشاد سے مجھ پر مرے اَسرار کھلے
کہ وہ ہر لفظ میں آئینہ دِکھا دیتا ہے

ظلمتِ دہر میں جب بھی میں پکاروں اُس کو
وہ مرے قلب کی قندیل جلا دیتا ہے

اُس کی رحمت کی بھلا آخری حد کیا ہوگی
دوست کی طرح جو دُشمن کو دُعا دیتا ہے

وہی نمٹے گا مری فکر کے سنّاٹوں سے
بُت کدوں کو جو اَذانوں سے بسا دیتا ہے

وہی سرسبز کرے گا مرے ویرانوں کو
آندھیوں کو بھی جو کردارِ صبا دیتا ہے

قدم اُٹھتے ہیں مرے، جانبِ یثرب جب بھی
اِک فرشتہ مجھے شہپر کی ہوا دیتا ہے

فن کی تخلیق کے لمحوں میں، تصوّر اُس کا
روشنی میرے خیالوں میں ملا دیتا ہے

قصر و اَیواں سے گزر جاتا ہے چپ چاپ ندیمؔ
درِ محمدؐ کا جب آئے تو صدا دیتا ہے

☆

## نعت

دُنیا ہے ایک دشت، تو گلزار آپؐ ہیں
اس تیرگی میں، مطلعِ انوار آپؐ ہیں
یہ بھی ہے سچ، کہ آپ کی گفتار ہے جمیل
یہ بھی ہے حق، کہ صاحبِ کردار آپ ہیں
ہو لاکھ آفتابِ قیامت کی دھوپ تیز
میرے لیے تو سایۂ دیوار آپ ہیں
یہ فخر کم نہیں کہ مَیں ہوں جس کی گردِ رہ
اُس قافلے کے قافلہ سالار آپ ہیں
مجھ کو کسی سے حاجتِ چارہ گری نہیں
ہر غم مجھے عزیز کہ غم خوار آپ ہیں

# اِنسان عظیم ہے!

اس نے تجھے عرش سے بُلایا
انسان عظیم ہے خدایا!
تو بسترِ کہکشاں پہ لیٹا تاروں کو بتا رہا تھا راہیں
اس خاک کے تودۂ رواں پر پڑتی ہی نہ تھیں تری نگاہیں
وہ تجھ کو زمیں پہ کھینچ لایا
انسان عظیم ہے خدایا!
تو نُور ہی نُور بُن رہا تھا وہ خاک ہی خاک چھانتا تھا
آنکھیں تھیں تری جھلک سے محروم لیکن تجھے دل سے مانتا تھا
اب چھونے لگا ہے تیرا سایہ
انسان عظیم ہے خدایا!
تو سنگ ہے اور وہ شرر ہے تو آگ ہے اور وہ اُجالا
تو نَم ہے، نمو کا پاسباں وہ تو دشت ہے، وہ چراغِ لالہ
اس نے ہی تجھے حسیں بنایا
انسان عظیم ہے خدایا!

تُو عینِ حیات ہے، مگر وہ  تزئینِ حیات کر رہا ہے
اس پر ہے غلط فنا کا الزام  سامانِ ثبات کر رہا ہے
اب جینے کا ڈھب سمجھ میں آیا
انسان عظیم ہے خدایا!
تُو وقت ہے، روح ہے، بقا ہے  وہ حسن ہے، رنگ ہے، صدا ہے
تُو جیسا ازل میں تھا سو اب ہے  وہ ایک مسلسل ارتقاء ہے
ہر شے کی پلٹ رہا ہے کایا
انسان عظیم ہے خدایا!

(اگست ۱۹۵۰ء)

# پابندی

میرے آقا کو گِلہ ہے کہ مری حق گوئی
راز کیوں کھولتی ہے
اور میں پوچھتا ہوں ۔ تیری سیاست، فن میں
زہر کیوں گھولتی ہے
میں وہ موتی نہ بنوں گا جسے ساحل کی ہوا
رات دن رولتی ہے
یوں بھی ہوتا ہے، کہ آندھی کے مقابل چڑیا
اپنے پر تولتی ہے
اِک بھڑکتے ہُوئے شعلے پہ ٹپک جائے اگر
بُوند بھی بولتی ہے

(اپریل ۱۹۵۴ء)

# پتھّر

ریت سے بُت نہ بنا، اے مرے اچھے فن کار
ایک لمحے کو ٹھہر، میں تجھے پتھّر لا دوں
میں ترے سامنے انبار لگا دوں — لیکن
کون سے رنگ کا پتھّر ترے کام آئے گا؟

سُرخ پتھّر؟ — جسے دل کہتی ہے بے دل دُنیا
یا وہ پتھرائی ہوئی آنکھ کا نیلا پتھّر
جس میں صدیوں کے تحیّر کے پڑے ہوں ڈورے؟

کیا تجھے روح کے پتھّر کی ضرورت ہو گی؟
جس پہ حق بات بھی پتھّر کی طرح گرتی ہے
اک وہ پتھّر ہے، جسے کہتے ہیں تہذیبِ سفید
اس کے مرمر میں سیہ خون جھلک جاتا ہے
ایک اِنصاف کا پتھّر بھی تو ہوتا ہے، مگر
ہاتھ میں تیشۂ زر ہو تو وہ ہاتھ آتا ہے





جتنے معیار ہیں اِس دَور کے، سب پتھّر ہیں
جتنے افکار ہیں اِس دَور کے، سب پتھّر ہیں

شعر بھی، رقص بھی، تصویر و غنا بھی پتھّر
میرا الہام، ترا ذہنِ رسا بھی پتھّر
اس زمانے میں تو ہر فن کا نشاں پتھّر ہے
ہاتھ پتھّر ہیں ترے، میری زباں پتھّر ہے
ریت سے بُت نہ بنا، اے مرے اچھے فن کار!

(دسمبر ۱۹۶۳ء)

☆

## روایت

قدموں کے نقوش ہوں کہ چہرے
قبروں کے گلاب ہوں کہ سہرے
تاریخ کے بولتے نشاں ہیں
تہذیب کے سلسلے رواں ہیں
یہ رسمِ جہاں قدیم سے ہے
آدم کا بھرم ندیم سے ہے

☆

# حکم

حکمِ دار لائے ہو؟
لیکن التجا سن لو
زور سے نہ چلاّؤ
کچھ قریب آ جاؤ
تم کو جو بھی کہنا ہے
تیوروں کو کہنے دو
دبدبے کو رہنے دو

میں کہ ایک شاعر ہوں
نکہتوں کا رکھوالا
نرمیوں کا متوالا
میری یہ تمنّا ہے
میری موت یوں آئے
پچھلی رات کو جیسے
ایک تارہ ٹوٹا ہو!
ایک تیر چھوٹا ہو!!

(دسمبر ۱۹۶۷ء)

# جوہری جنگ کے بعد کا ایک منظر

وہ سناٹا ہے، جس میں روشنی دم گھٹ کے مر جائے
وہ تاریکی ہے، جو آواز کو پتھر بنا ڈالے
گماں ہوتا ہے جیسے اب کبھی سورج نہ نکلے گا
جو نکلا بھی تو ان ویرانیوں کا کچھ نہ بگڑے گا
صداؤں کی شعاعیں اب، نہ تاریکی میں لپکیں گی
گجر بھی گنگ ہوں گے اور اذانیں بھی نہ گونجیں گی
یہ صحراؤں کے ٹیلے ہیں کہ آسیبوں کے جمگھٹ ہیں
یہ جنگل ہیں کہ رنگ و نکہت و نزہت کے مرگھٹ ہیں
پہاڑوں پر دھواں، کھیتوں میں بھوبھل، تشنہ لب دریا
سمندر سے اُبل کر ساحلوں کو چاٹتا لاوا
یہ کل کا شہر ہے، جس کے کھنڈر صدیوں پرانے ہیں
کہ اس آج اور کل میں سینہ زن کتنے زمانے ہیں
گھروں کے آنگنوں میں سربریدہ سائے بیٹھے ہیں
زمیں کے قاتلو! یہ آپ کے ماں جائے بیٹھے ہیں

(نومبر ۱۹۶۹ء)





# فردِ جرم

ہم گنہگار ہیں
اور اقبال کرتے ہیں اپنے گناہوں کا
ہم جن گناہوں سے آلودہ ہیں
ان کی فہرست نذرِ وطن ہے

ہم چلے تو اندھیرے کے جنگل میں راہیں اجاگر ہوئیں
ہم رُکے تو خیابان و گلزار بن کر رُکے
ہم جو روئے تو اپنی طرح کے کروڑوں کے رونے میں شامل رہے
ہم ہنسے تو ہماری ہنسی دوسروں کے لبوں سے چرائی ہوئی مسکراہٹ کا ملبہ نہ تھی

ہم جو کڑکے تو زنجیر کے دائروں کے دہن کُھل گئے
ہم جو بولے تو روحِ سماعت دلھن بن گئی
ہم نے لکھا تو لفظوں کے صحراؤں میں کشتِ مفہوم افق تا افق لہلہانے لگی
ہم نے گایا تو آغوشِ آواز میں آدمیت کے جذبے ہمکنے لگے
ہم کسی جبر کے سامنے منمنائے نہیں
ہم جہاں بھی گئے، سر کشیدہ گئے
ہم نے دربار میں بھی پہنچ کر قصیدے سنائے نہیں

(جنوری ۱۹۷۰ء)

# تخلیقی لمحے کی دعا

خیالو! مرے ذہن پر جب اُترنا
تو مٹی کی خوشبو بھی ہمراہ لانا
جو تخلیق کا جزوِ اعظم ہے
جس سے پیمبر بھی اُٹھے، مصوّر بھی، شاعر بھی، محبوب بھی، فلسفی بھی
وہی، جس کے جنگل، سمندر، پہاڑ اور صحرا فقط آدمیّت کی خدمت پہ مامور ہیں
جس پہ انسان نے اپنی محنت کے شہکار اُگائے ہیں
جن سے تمدّن نے، تہذیب و تاریخ نے
نام پائے ہیں

میں اس سے کٹ کر خلا میں گیا تو مرا وزن کھو جائے گا
اور مرا وزن مٹی سے ہے
اور میں مٹی سے ہوں
اور مٹی میں مجھ کو بدلنا بھی ہے
اے خیالو! اسی مہرباں کی وہ خوشبو بھی ہمراہ لانا
جو انساں کو انساں بناتی ہے
عزّت سے جینا تو غیرت سے مرنا سکھاتی ہے
اور آخرِ کار ـــ ماں بن کے،
اپنے تھکے ماندے بچوں کو آغوش میں
لے کے گردش کا جھولا جھلاتی ہے!

(نومبر ۱۹۷۴ء)

# گجر دم

گجر دم کے لمحے تھے
جب بند کھڑکی کے شیشوں پہ دستک ہُوئی!
کون ہے؟ —— میں نے پوچھا
تو ایک اور دستک ہُوئی!
نیند کچّی تھی
آنکھوں میں خوابوں کا نم تھا
میں کروٹ بدلنے کو تھا
جب یہ دستک تسلسل سے ہونے لگی!

کون گستاخ ہے؟ —— میں نے پوچھا
پلٹ کر جو دیکھا
تو وہ پھول تھا موتیے کا
جو خوشبو کا تحفہ لیے
مسکراتا ہوا
ایک معصوم بچے کی مانند
کھڑکی کے شیشے سے لگ کر کھڑا تھا!

(اپریل ۱۹۷۷ء)

# یہ راہبر

یہ رہبر ہیں کسی کو باخبر ہونے نہیں دیں گے
گزر جائے گی شب، لیکن سحر ہونے نہیں دیں گے

مجھے محبوس رکھیں گے وہ وعدوں کی فصیلوں میں
کسی دیوار میں تعمیر در ہونے نہیں دیں گے

مجھے مامور رکھیں گے وہ بارش کی دعاؤں پر
مگر بوندوں سے میرا حلق تر ہونے نہیں دیں گے

مجھے محصور رکھیں گے عجب برزخ کے عالم میں
سفر کرنے نہیں دیں گے، بسر ہونے نہیں دیں گے

وہ مجھ سے کام لیں گے دشت کو گلشن بنانے کو
مگر اک گل بھی میرے زیبِ سر ہونے نہیں دیں گے

اگر سورج نے آدھے آسماں کی راہ طے کر لی
تو جب بھی میرے گھر میں دوپہر ہونے نہیں دیں گے

اگر کچھ اور آگے بڑھ گیا ادراکِ انسانی
تو سائے کو بھی میرا ہمسفر ہونے نہیں دیں گے

مبادا اس کے ہاتھوں ہی سے مل جائے شفا مجھ کو
مرے قاتل کو بھی وہ چارہ گر ہونے نہیں دیں گے





مجھے تکفیر کی آلودگی سے لاد ڈالیں گے
وہ میری اِک دعا بھی کارگر ہونے نہیں دیں گے

زمیں کی قوّتِ روئیدگی برحق سہی، لیکن
کسی بھی شاخ کو وہ باروَر ہونے نہیں دیں گے

نکالیں گے قفس سے طائروں کو، زیرِ مجبوری
مگر جسموں میں پیدا بال و پر ہونے نہیں دیں گے

سنیں گے نو بہ نو نغمے، مگر جب جی نہ چاہے گا
ہوا کو بھی چمن میں نغمہ گر ہونے نہیں دیں گے

نظر رکھیں گے وہ اہلِ وطن پر اس مہارت سے
کوئی بھی مسئلہ زیرِ نظر ہونے نہیں دیں گے

یہ مانا آج ہر انساں کی قوّت ہے شعور اس کا
مگر اس رسم کو عام اس قدر ہونے نہیں دیں گے

ندیمؔ اپنے ہنر سے دست کش ہونا ہی بہتر ہے
کہ یہ پتھّر مجھے آئنہ گر ہونے نہیں دیں گے

(مئی ۱۹۷۷ء)

☆

# ایک بیل سے

کھال بہت موٹی ہے تمھاری!
سَن سَن کرتے کوڑے کھاؤ
کان ہلاتے جاؤ!
درد اگر ہڈی میں اُترے
سینگ نہ کام میں لاؤ!
دُم کو گِس گِس کر خود اپنی پِیٹھ پہ مارو
اور نئے کوڑے کی موسیقی سننے کو
سر نیہوڑاؤ!
کُھر سے مٹی کھود کھود کر تال ملاؤ!
اور جب ساری کھال اُڑ جائے
صرف ذرا سا ڈکراؤ
پھر چپکے سے مر جاؤ!

(اگست ۱۹۷۷ء)

# وطن کے لیے ایک دعا

خدا کرے ـــ کہ مری ارضِ پاک پر اُترے
وہ فصلِ گُل، جسے اندیشۂ زوال نہ ہو

یہاں جو پھول کِھلے، وہ کِھلا رہے صدیوں
یہاں خزاں کو گزرنے کی بھی مجال نہ ہو

یہاں جو سبزہ اُگے، وہ ہمیشہ سبز رہے
اور ایسا سبز، کہ جس کی کوئی مثال نہ ہو

گھنی گھٹائیں یہاں ایسی بارشیں برسائیں
کہ پتھروں سے بھی، روئیدگی محال نہ ہو

خدا کرے ـــ کہ نہ خم ہو سرِ وقارِ وطن
اور اس کے حسن کو تشویشِ ماہ و سال نہ ہو





ہر ایک فرد ہو تہذیب و فن کا اوجِ کمال
کوئی ملول نہ ہو، کوئی خستہ حال نہ ہو

خدا کرے ـــ کہ مرے اک بھی ہموطن کے لیے
حیات جرم نہ ہو، زندگی وبال نہ ہو

خدا کرے ـــ کہ مری ارضِ پاک پر اُترے
وہ فصلِ گُل جسے اندیشۂ زوال نہ ہو

(مارچ ۱۹۸۰ء)

# ایک درخواست

زندگی کے جتنے دروازے ہیں، مجھ پر بند ہیں
دیکھنا ___ حدِ نظر سے آگے بڑھ کر دیکھنا بھی جرم ہے
سوچنا ___ اپنے یقینوں سے نکل کر سوچنا بھی جرم ہے
آسماں در آسماں اسرار کی پرتیں ہٹا کر جھانکنا بھی جرم ہے
''کیوں'' بھی کہنا جرم ہے ''کیسے'' بھی کہنا جرم ہے
سانس لینے کی تو آزادی میسّر ہے، مگر
زندہ رہنے کے لیے انسان کو کچھ اَور بھی درکار ہے
اور اِس ''کچھ اَور بھی'' کا تذکرہ بھی جرم ہے

اے ہنرمندانِ آئین و سیاست!
اے خداوندانِ ایوانِ عقاید!
زندگی کے نام پر بس اک عنایت چاہیے
مجھ کو ان سارے جرائم کی اجازت چاہیے

(نومبر ۱۹۸۸ء)





# بولنے دو

بولنے سے مجھے کیوں روکتے ہو؟
بولنے دو کہ مرا بولنا دراصل گواہی ہے مرے ہونے کی
تم نہیں بولنے دو گے تو میں سنّاٹے کی بولی میں ہی بول اٹھوں گا
میں تو بولوں گا
نہ بولوں گا تو مر جاؤں گا
بولنا ہی تو شرف ہے میرا
کبھی اس نکتے پہ بھی غور کیا ہے تم نے
کہ فرشتے بھی نہیں بولتے ___ میں بولتا ہوں
حق سے گفتار کی نعمت فقط انساں کو ملی
صرف وہ بولتا ہے
صرف میں بولتا ہوں
بولنے مجھ کو نہ دو گے تو مرے جسم کا ایک ایک مسام
بول اٹھے گا
کہ جب بولنا منصب ہی فقط میرا ہے
میں نہ بولوں گا تو کوئی بھی نہیں بولے گا!

(اگست ۱۹۹۰ء)

# آؤ جینے کی کوشش کریں

آؤ، جینے کی کوشش کریں
زندگی، موت کی طرح اِک بار ملتی ہے
اِک بار جی بھر کے جی لیں
حسن وزیبائی کو اپنی آنکھوں سے پی لیں
عشق سے دل کی کھیتی کو سیراب کرلیں
شعرونغمہ سے روحوں کو شاداب کرلیں
آؤ، جینے کی کوشش کریں
اور جی بھر کے جی لیں
موت آئے تو ہم زندگی کا سفر ختم کرنے کو تیار بیٹھے ہوں
کوئی تمنا ادھوری نہ ہو
یعنی کچھ اور جینا ضروری نہ ہو
موت یوں آئے، جس طرح انسان کو سانس آتی ہے

آئے
ہمیں جس طرف چاہے، لے جائے
جنت ہو، دوزخ ہو، برزخ ہو، کچھ بھی ہو
ہم اس طرح کی کئی جنتوں، دوزخوں، برزخوں سے گزرتے رہے
موت آئندہ بھی ہم کو ایسے ہی مانوس منظر دکھائے
تو بے شک دکھائے
کہ ہم ان کے عادی ہیں
جب ہست اور نیست کا آسماں ایک ہے
تو چلو، چند لمحوں کو کچھ اور جینے کی کوشش کریں
زندگی، موت کی طرح اِک بار ملتی ہے
اِک بار جی بھر کے جی لیں!

(نومبر ۱۹۹۵ء)

# رابطہ

سحر کے وقت
جب چڑیاں درختوں اور مکانوں کی منڈیروں پر اُترتی ہیں
مجھے محسوس ہوتا ہے
ابھی قدرت کا اور انسان کا ناتا نہیں ٹوٹا
وگرنہ یہ بہت پیارے پرندے
یہ ہواؤں کے، فضاؤں کے نمائندے
مسلسل چہچہاتے
دائروں میں رقص کرتے
ابتداء سے آج تک

نورِ سحر کے ساتھ ہی
حیران کُن حسن تواتر ہے
بھلا کس کی ہدایت پر
قطار اندر قطار آتے ہیں
اور صبحوں کو
اپنے دلربا، معصوم نغموں سے سجاتے ہیں!

☆

(جولائی ۱۹۹۹ء)





# دائرے کی اسیری

مجھ مسافر کو بتایا بھی تو ہوتا مرے رہبر، مرے دوست!
کہ مجھے دائرے میں گھومتے رہنا ہے ہمیشہ کے لیے

تجھ کو معلوم تو ہوگا شاید
دائروں میں فقط اجرامِ فلک گھومتے ہیں
میں تو اولاد ہوں آدم کی، جسے صبحِ ازل
حق نے مسجودِ فرشتوں کا بناتے ہوئے فرمایا تھا
یہ خلیفہ ہے زمیں پر میرا

میں نمائندۂ حق ہوں، مجھ کو
دائرے میں کوئی محبوس نہیں کر سکتا
تو نے آغاز سے کیوں مجھ پہ مسلّط رکھا
ایک ہی دائرے میں گھومتے رہنے کا عذاب
مجھ کو آفاق در آفاق سفر کرنا ہے
مجھ کو تو ڈھونڈنا ہے، کھوجنا ہے

اُس حقیقت کو جو محبوس نہیں دائرے میں
شش جہت کے کسی گوشے میں جو پوشیدہ ہے

دائرہ ٹوٹ بھی سکتا ہے
سو میں آج اسے توڑتا ہوں
مجھ کو ذروں سے ستاروں تک کا
اور فضاؤں سے خلاؤں تک کا وہ سفر کرنا ہے
جو تقاضا مری تخلیق کا ہے

(۹ر دسمبر ۱۹۹۹ء)

☆